دو روزہ قومی اقبال کانفرنس (24-25 اپریل) 2018

انسانی اخلاقی اقدار اور فکرِ اقبال

تلخیص (abstract)

ایک جاہلی عرب شاعر کہتا ہے: لَعمرک ما ضاقت بلاد با هلِها وَلکنّ اخلاقَ الرّجالُ یُضیق
ترجمہ: تیرے سر کی قسم! شہر لوگوں کی کثرت سے تنگ نہیں ہوتے، بلکہ شہر کے لوگوں کا اخلاق اسے تنگ کر دیتا ہے۔

مراد یہ ہے کہ بستیوں کے امن و سکون اور بسنے والوں کی مسرت و سعادت کے لیے اعلیٰ اخلاقی اقدار کی اہمیت و ضرورت سے جاہلی عرب بھی ناواقف نہ تھے۔ خیر و شر کی بحث میں ماہرینِ اخلاقیات جس خیر بالذات کی تعریف میں صدیوں میں مصروف ہیں، ایک مسلم مفکر ہونے کے ناطے، اقبال کو خیر بالذات، عقیدۂ توحید و ختمِ رسالت، میں تیار مل گیا۔ اسی حوالے سے انھوں نے مذہبِ اسلام کو کفایت فکر و انتخابِ عمل سے تعبیر کیا۔ اقبال کی تمام تر فکر کا مدار انا خیر منه (میں آدم سے بہتر ہوں) کے جواب میں انی اعلمُ مالا تعلمون فرمانے والے کے عطا کردہ ضابطوں پر ہے، جو بنی نوع انسان کو خیر بالذات (صراطِ مستقیم پر) چلاتے ہیں۔ اقبال نے فرد و جماعت اور جماعتوں کے جماعتوں کے تعلق سے اپنی فکر کو جس خودی و بے خودی کا عنوان دیا ہے، اس کی تربیت میں ضبطِ نفس کو بنیادی اور مرکزی مقام حاصل ہے۔ جس کا مدار نہ مرگِ آرزو پر ہے، نہ ترکِ علائق پر۔ یہ ضبطِ نفس مشتِ خاک کو ع بدریا غلط و ما موجش درّ آویز کا حوصلہ بخشتا ہے۔ حریت، مساوات اور حفظِ بنی نوعِ انسان کی موعظت کا یہ الٰہی دستور جس کے ذریعے دیا گیا، وہ شخصیت انک لعلٰی خلقٍ عظیم کی سند یافتہ تھی۔ جس نے اپنی زندگی سے بعثت لاتمم مکارم اخلاق کا دعوٰی سچ کر دکھایا۔ دنیا بھر کے مثالیت پسند مفکرینِ اخلاقیات جس کی مثال پیش نہ کر سکے، زیرِ نظر مقالے کا مقصدِ تحریر اسی حقیقتِ واقعہ کی توضیح ہے۔

محمد ناصر آفریدی (پی ایچ ڈی سکالر (اردو))

سرحد یونیورسٹی پشاور

موبائل نمبر 03013003388

ای میل: nasirafridi38@gmail 38.com

دوروزہ قومی اقبال کانفرنس (24-25اپریل)2018

انسانی اخلاقی اقدار اور فکرِ اقبال

ریسرچ پیپر

روحِ اجتماع کے مصنف موسیو لیبان کے بقول:

لوگوں کا یہ خیال کہ قوم کے نقائص کی اصلاح کا مدار اور ترقی و تنزل کا معیار نظامِ حکومت اور نظامِ معاشرت پر ہے، غلط ہے، کیوں کہ نظامِ حکومت اور نظامِ معاشرت قوموں کے اخلاق اور عادات سے پیدا ہوتے ہیں۔

(خلاصہ: روحِ اجتماع ص47، اردو ترجمہ: مولانا غلام ربانی عزیز، مفیدِ عام پریس، لاہور)

اس بلیغ خیال سے پوری طرح معلوم ہوتا ہے کہ قوموں کی ترقی و تنزل اُس کے نظامِ اخلاق پر منحصر ہے۔ حکومتیں یا معاشرتی نظامات حالات اور زمانے کے تقاضوں کے تحتِ اثر بدلتے رہتے ہیں۔ علامہ اقبال کا نظریۂ اخلاق اُن کے عقدۂ توحیدِ باری اور ختمِ نبوت پر استوار ہے، جن کا مدار ایمان بالغیب اور اطاعتِ رسول ﷺ پر ہے اور چونکہ اطاعتِ رسول ہی اطاعتِ الٰہی ہے، من یطع الرسول فقد اطاع اللہ (4/النسآء:8) اس لیے فرد کی شخصیت سازی کے لیے اطاعتِ الٰہی کو لازم کرتے ہیں اور چونکہ جماعت، قوم یا اُمّت کسی مشترک مقصدِ وحید کے تحت کسی داعی کے گرد جمع ہو جانے والے لوگوں کا نام ہے، اس لیے افراد ضبطِ نفس کی منزل بآسانی سر کر لیتے ہیں اور ایک مضبوط جماعت، قوم یا اُمت میں ڈھل جاتے ہیں۔ وہ داعی ﷺ، جس پر امتِ مسلمہ کا وجود قائم ہے، خلقِ عظیم کا مرقع اور تا قیامت اُسوۂ حسنہ ہیں۔ آپ ﷺ پر اعلٰی ترین اخلاق کی تکمیل ہو گئی۔ آپ ﷺ نے کھلے عام انما اَنَا بَشَر (18/الکھد:11) کا اعلان فرما کر جو ثقافتی انقلاب برپا کیا، اُس نے مقصدِ دین، حریت و مساوات کو اُمتِ محمدیہ ﷺ کی صفتِ لاینفک قرار دے دیا۔ یہ گویا انسان کو ہر طرح کے داخلی و خارجی جبر سے نجات کا اعلان تھا۔ اقبال نے اسی لیے واضح کیا:

بمصطفیٰ برساں خویش را کہ دین ہمہ اُوست
اگر باُو نہ رسیدی تمام بولہبی ست

(ارمغانِ حجاز، کلّیاتِ اردو: ص691)

یہ توضیح ہر طرح کی سلبی اقدار کی نفی پر دلالت کرتی ہے کہ دینِ اسلام، جس کے علامہ اقبال ان تھک شارح ہیں، لا الا نلفیہ سے شروع ہو کر الا اللہ کی طرف رجوع کرتا ہے۔اِس لیے کوئی بھی عمل، کوئی بھی نظمِ جماعت، جو شخصی آزادی کی نفی کرے، فکرِ اقبال اسے قبول نہیں کرتی۔ انقلابِ روس نصف دنیا پر مسلط ہوا، لیکن اقبال نے اُس پر یہ بے مثال تبصرہ فرمایا۔ بندگی، خواجگی کے جنگ آزما ہو گئی لیکن لا منفی ہی رہا، اثباتِ الا کی طرف نہ بڑھ سکا۔

ے کردہ ام اندر مقاماتش نگاہ　　لا سلاطیں، لا کلیسا، لا الٰہ

فکرِ اُو در گردِ بادِ لا بماند　　مرکبِ خود را سوئے الا نراند

در لا نیآساید حیات　　سُوئے الّا می خرامد کائنات

(پس چہ باید کردہ، کلیات فارسی، ص815)

ع　　پیامِ موت ہے جب لا ہوا الّا سے بے گانہ

(ضربِ کلیم، کلیاتِ اردو، ص271)

اس نظام کی اساس شکم پر ہے اور اس حوالے سے بھی محرومی میں مساوات اِس نظام کی روح ہے۔ اس لیے کہ **لا** پر زندگی قائم نہیں رہ سکتی۔ روس پون صدی میں ٹکڑے ٹکڑے ہوا تو اقتصادی بدحالی کے ہاتھوں، جس انقلاب کی روح اقتصادیات تھی۔ محرومی میں مساوات نے شخصی آرزوؤں کو مار ڈالا۔ حرکت و عمل کے لیے جس جذبۂ مسابقت کی ضرورت ہوتی ہے، وہ کچل دیا گیا۔ اس لیے معاشرہ جمود کا شکار ہو گیا۔ تخلیقِ مقاصد کی روح، آرزو نہ رہی۔ اقبال تصوف کے وحدت الوجودی نظریۂ فنا کے بھی اسی مرگِ آرزو اور ترکِ علائق کے سبب مخالف تھے۔ ملوکیت، آمریت، اسی حوالے سے اُن کی فکری فضا میں نہیں پل سکتے کہ یہ سب شخصی آزادی کو کچلنے اور فنا کرنے والے نظام ہیں:

ع　　تمیزِ بندہ و آقا فسادِ آدمیت ہے

(بانگِ درا، کلیاتِ اردو، ص271)

اقبال نے جمہوریت کو عین اسلام قرار دیا، مگر اُس کی ضابطہ پسندی (خالص اخلاقی نکتۂ نظر کو بر طرف کر کے غیر قانونی اور غلط کو معناً مترادف قرار دینا: شذراتِ فکرِ اقبال، ص146) کو ناپسند کیا کہ یہ شے روحِ حریت کو کچلتی ہے۔ بصورتِ دیگر اسلام کے نظامِ مشاوراتِ عامہ، کو جمہوریت کے بغیر دوسرا کوئی نظام راس نہیں۔ کلامِ اقبال میں جمہوریت کے خلاف جتنا کچھ ہے، وہ نفسِ جمہوریت کے خلاف نہیں، ہندوستان میں تاجِ برطانیہ کے استحکام کی خاطر آزادیِ رائے کے ڈھونگ کے خلاف ہے۔

ے　　مجلسِ آئین و اصلاح و رعایات و حقوق

طبِ مغرب میں مزے میٹھے، اثر خواب آوری

یہ جذبۂ آزادی کے طفل تسلیوں کا اہتمام اور مسلمانانِ ہند کے لیے دوہری غلامی کا پھندا تھے۔

می کند بندِ غلاماں تیز تر ے

حریت می خواند اُو را بے بصر

گرمیِ ہنگامۂ جمہور دید ے

پردہ بر روئے ملوکیت کشید

(پس چہ باید کرد، کلیات فارسی، ص 831)

لیکن جب جبری تعلیم کی بات چلی تو اقبال نے بڑھ چڑھ کر اس کی حمایت کی کہ یہ جبر قوم کی ترقی و خوشحالی کی راہ اور مجبوری و ناداری کے سَدِباب کی سکیم تھی۔

غرض نسل، قومیت، کلیسا، سلطنت، تہذیب، رنگ، سب عوامل فطری ہونے کے باوجود رد کیے جانے کے لائق ہیں کہ یہ اخلاق کی سلبی قدروں کی تربیت کرتے ہیں۔ ایسے ہی بتوں میں وطنیت کا بُت بھی ہے کہ سمندر کو ندی نالوں میں بانٹتا ہے اور باہمی رقابتوں کو جنم دیتا ہے۔ وطنیت پر قائم مغربی قومیں دوبار عالمی جنگوں کی آگ بھڑکا چکی تھیں۔ حُبِ وطن اور شے ہے اور وطن پر قائم قومیت کا جذبہ اور شے۔ جہاں تک حبِ وطن کا تعلق ہے تو اقبال نے جاوید نامہ میں ہندوستان کو حورِ پاک زاد کہا اور اس کی غلامی کا رونا رویا۔ وہ بہت پہلے اُس کی آزادی کی طرف سے غافل ہونے والوں کو اس کی عصمت یاد دلا چکے تھے۔ وہ انوپ صورت، مورت، جسے دل کے مندر میں رکھنے کے لیے جو نیا شوالہ بنانے کی رائے دی تھی، وہ ہندوستان ہی تو تھا۔ اقبال نے اس نیا شوالہ کا کلس دامانِ آسمان سے ملانے کا جو عندیہ دیا۔ وہ ہمالہ کے پہنائے فلک میں وطن سازی ہی کی تکرار تو تھی۔ غدارانِ وطن جعفر و صادق، کے سوا کسی کو جہنّم میں نہیں دکھایا۔ یعنی حب وطن، دفاعِ وطن کی محرک ہے۔ اس لیے یہ ایجابی قدر ہے، مگر وطنیت، پہنائے فلک کی وسعتوں سے محروم کرتی ہے اس لیے سلبی قدر ہے اخلاق کی۔ حبِ وطن، برادری و برابری کا جذبہ اُبھارتی ہے، جو پر امن و پر سکون معاشرے کی ضامن اور پہچان ہے۔ ہندوستان کو اسی کی ضرورت تھی۔ (تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: ہمالہ سے نیا شوالہ تک۔ ارشاد شاکر اعوان، بزمِ اقبال، لاہور)

سب سے بڑھ کر اخلاق کی ایجابی قدر، خود انحصاری ہے، جو سوال جیسی سلبی قدر کے اثرات سے محفوظ رکھتی ہے۔ سوال احتیاج کی قسموں کی خبر دیتا ہے۔ صدقہ مانگنے یا خراج، میر و سلطان سب گدا، خراج کی جو گدا ہو، وہ قیصری کیا ہے

نہ صرف یہ بلکہ تحریکِ خلافت کے وفد کی سعی جمیلہ کو قدر کی نگاہ سے دیکھا، لیکن خلافت کی دریوزہ گری، کو ناپسند کیا۔ اقبال نے مایوسی وناامیدی کو بھی سلبی قدر کہا ہے، صوفی کی مستیِ احوال اور ملّا کی مستیِ گفتار یا خمار آلود شاعری، اقبال روح ملت کے لیے اسے پیغامِ مرگ بتاتا ہے اور مجاہد کی مستیِ کردار کی طرف بلاتا ہے۔

مقامِ آدمی روحِ و دل کی کشاد میں ہے۔

نہ فلسفی سے نہ ملّا سے ہے غرض مجھ کو
یہ دل کی موت وہ اندیشہ و نظر کا فساد
فقیہِ شہر کی تحقیر! کیا مجال مری
مگر یہ بات کہ میں ڈھونڈتا ہوں دل کی کشاد

(بالِ جبریل، کلیاتِ اقبال اردو، ص362، غلام علی)

محمد ناصر آفریدی (پی ایچ ڈی سکالر (اردو))
سرحد یونیورسٹی پشاور
موبائل نمبر03013003388
ای میل: nasirafridi38@gmail 38.com